قبہ وقبور پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث اور نجدی افعال کی مذہبی روشنی میں تحقیق

نام نہاد علمائے مدینہ کی تحریر پر مفصل تبصرہ یعنی

اَلبَیتُ المَعمورفی عَمارۃ القبُورُ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

{فعل اصحاب}

میں اس مقام پر ان اخبار کے نقل سے قطع نظر کرتا ہوں جو خیمہ یا سراپردہ کے قبر پر قیام کے متعلق ہیں اس وجہ سے کہ بحث بناء علی القبور کے جواز وعدم جواز میں ہے اور ظاہر ہے کہ قبر پر خیمہ لگانا عمارت بنانے سے ایک جداگانہ امر ہے۔ میں ان اخبار کو مفید مطلب نہیں سمجھتا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن امام حسنؑ کی قبر پر ان کی زوجہ نے قبہ نصب کیا تھا اس لئے کہ وہاں قبہ سے مراد خیمہ ہے جیسا کہ بعض شارحین خبر نے تصریح کی ہے اگرچہ ان لوگوں کا جواب دینے کے لئے یہ بھی کافی ہے جو مطلق تظلیل یعنی سایہ میں قبر کرنے کو ممنوع کہتے ہیں اس لئے کہ ان اخبار بنائے خیمہ سے تظلیل کا جواز تو قطعاً ثابت ہوسکتا ہے لیکن میں اس وقت عمارت بنانے میں بحث کررہا ہوں لہٰذا ان اخبار کو خارج از مبحث سمجھ کے ترک کرتا ہوں مگر قبر پر عمارت کا ہونا بھی فعل اصحاب رسول سے کئی وجہوں سے ثابت ہے۔

(۱) اگر قبر پر عمارت کا ہونا ممنوع ہوتا تو اصحاب رسولؐ رسالت مآبؐ کو حجرۂ ام المومنین حضرت عائشہ میں نہ دفن کرتے جو باتفاق علما وارباب تواریخ مسقف تھا خصوصاً حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ کیونکر ایسے امر نامشروع کو گوارا فرما سکتے تھے حالانکہ بقول حامیان ابن سعود کے ان ہی کو رسالت مآبؐ نے قبروں کی عمارتیں گرانے کو بھیجا تھا۔ یہ فعل تمام اصحاب رسول کا جن میں خلفائے راشدین بھی داخل ہیں اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہ تمام حضرات طے کئے ہوئے تھے اس امر کو کہ عمارت کے نیچے قبر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اگرچہ یہ امر کہ رسالت مآبؐ کی قبر حجرہ میں تھی جو مسقّف تھا، لائق انکار نہیں ہوسکتا مگر زیادتی توضیح کے لئے چند حوالہ بھی دیئے جاتے ہیں۔ انسان العیون میں علی بن برہان الدین شافعی محدث نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ میں سخت قحط سالی ہوئی جس کی وجہ سے اہل مدینہ بہت پریشان ہوئے۔ ام المومنین عائشہ نے کہا کہ قبر رسول پر جو سقف ہے اس میں ایک سوراخ کردو اس طرح کہ آسمان اور قبر میں کوئی حائل نہ رہے جب ایسا کیا گیا تو اسی روز اتنی بارش ہوئی کہ اہل مدینہ سیراب ہوگئے اور زراعتیں سرسبز وشاداب ہوگئیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ قبر رسالت مآبؐ مسقّف تھی۔ اور صحیح بخاری میں روایت ہے:

عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم لیتقدّر فی مرضه این انا الیوم این انا غدا استبطاء الیوم عائشة فلما کان یومی قبضه الله بین سحری ونحری ودفن فی بیتی۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسالت مآبؐ اپنی بیماری میں حساب کرتے تھے کہ آج میں کہاں رہوں گا کل کہاں رہوں گا انتظار میں میرے دن کے جب میری باری آئی تو خدا نے ان کی قبض روح میرے آغوش میں فرمائی اور میرے گھر میں دفن ہوئے۔

اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت حضرت عائشہ میں مدفون ہوئے تھے۔

(۲) وفاء الوفاء لاخبار دار المصطفیٰ میں ہے:

روی عن زید بن السائب قال اخبرنی جدّی قال لمّا حفر عقیل بن ابی طالب رضی الله عنه فی داره بئرا وقع علی حجر منقوش مکتوب فیه قبر امّ حبیبة بنت صخر بن حرب فدفن عقیل البئر وبنی علیه بیتا قال ابن السائب فدخلت ذلک البیت فرأیت فیه ذلک القبر۔

زید بن سائب نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ جب عقیل بن حضرت ابوطالب نے اپنے گھر میں کنواں کھودا تو ایک پتھر تک پہنچے جس میں یہ عبارت کندہ تھی کہ یہ قبر ام حبیبہ دختر صخر بن حرب کی ہے، عقیل نے کنویں کو پاٹ دیا اور اس کے اوپر ایک گھر بنوا دیا ابن سائب نے کہا ہے کہ میں اس گھر کے اندر گیا تو میں نے اس قبر کو دیکھا۔

عقیل بن ابوطالب کا فعل قبر پر عمارت بنانے کو بتلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جناب عقیل صحابی رسول تھے کیونکہ صحابی وہی ہے کہ: ''من رأی النبیؐ وصحبه'' جس نے نبی کو دیکھا ہو اور ساتھ رہا ہو۔ عقیل قرابت داری کے علاوہ یقیناً اس تعریف میں مندرج تھے لہٰذا صحابی رسول تھے۔ صرف ان ہی کا فعل بنابر حدیث مسلّم ''بایهم اقتدیتم اهتدیتم'' لائق اتباع ہے۔ اور یہ امر گنجائش انکار نہیں رکھتا کہ عقیل صحبت رسول کے فیض سے مشرف تھے بلکہ رسالت مآبؐ ان سے خاص محبت رکھتے تھے۔ دیکھو عمدۃ الطالب جمال الدین ابن عقبہٗ داؤدی:

عقیل بن ابی طالب ویکنی ابا یزید وکان ابو طالب یحبّه حبّا ولذا قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم انی لاحبک حبّین حبّا لک وحبّا لحب ابی طالب۔

عقیل بن ابوطالب ان کی کنیت ابویزید تھی اور ابوطالب ان کو بہت چاہتے تھے اسی وجہ سے رسالت مآبؐ فرماتے تھے کہ میں تم کو دو جہتوں سے دوست رکھتا ہوں ایک محبت تمہارے خیال سے دوسرے بسبب محبت ابوطالب کے۔

عہد تابعین کرام یا صدر اسلام

بعد اس کے کہ ہم فعل رسول اور سیرت بضعۂ رسول سیدۂ نساء جنت اور فعل صحابہ سے بناء علی القبر کا جواز ثابت کر چکے اب زمانۂ تابعین میں کہ جو صدر اسلام کہے جانے کے مستحق ہے پہلی یا دوسری صدی ہجری میں قبہ کا وجود اور قبر پر عمارت بننا ثابت کرتے ہیں:

(۱) علامۂ سمہودی وفاء الوفاء میں لکھتے ہیں:

امّا قبر فاطمة بنت اسد امّ علی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنهما فانّ عبدالعزیز حدّث وذکر

سنده الی محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال لمّا استقرّ فاطمة وعلم بذلک رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال اذا توفّیت فاعلمونی فلما توفیت خرج رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فامر بقبرها۔ فحفر فی موضع المسجد الذی یقال له الیوم قبر فاطمة ثمّ لحدلها لحدا ولم یضرح لها ضریحا فلمّا فرغ منه نزل فاضطجع فی اللّحد وقرأفیه القران ثم نزع قمیصه فامر ان تکفن فیه ثم صلّی علیها عند قبرها فکبّر تسعا وقال ماعفی احد من ضغطا القبر الاّ فاطمة بنت اسد قیل یا رسول اللہ و الا القاسم قال ولا ابراهیم وکان ابراهیم اصغرهما۔

قبر فاطمہ بنت اسد مادر حضرت علی بن ابی طالبؑ کے بارے میں ہے کہ عبدالعزیز نے بسند متصل محمد حنفیہ سے نقل کیا ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد کا وقت وفات قریب آیا اور رسالت مآبؐ کو معلوم ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ جب انتقال ہوجائے تو مجھ کو خبر کرنا۔ جب انتقال ہوگیا تو حضرت رسالت مآبؐ تشریف لائے اور قبر کھودنے کا حکم دیا۔ قبر اسی مسجد کی جگہ پر کھودی گئی جس کو آج قبر فاطمہ کہتے ہیں پھر آپؐ نے لحد بنوائی لیکن ضریح نہیں بنائی گئی جب فراغت قبر سے ہوگئی تو رسالت مآبؐ قبر میں اترے اور لحد میں لیٹے اور قرآن کی تلاوت فرمائی پھر اپنا قمیص اتارا اور حکم دیا اس میں کفن دیا جائے پھر قبر کے قریب نماز جنازہ پڑھی اور نو تکبیریں کہیں اور فرمایا کہ سوائے فاطمہ بنت اسد کے کوئی شخص فشار قبر سے محفوظ نہیں رہا کسی نے کہا یا رسولؐ اللہ حتی کہ قاسم بھی نہیں بچے، فرمایا ابراہیم تک نہیں محفوظ رہے حالانکہ ابراہیم قاسم سے چھوٹے تھے۔

صاحب وفاء الوفاء اس خبر کے نقل کے بعد اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں: **قلت وقوله فی موضع المسجد الی اخره یقتضی انه کان علی قبرها مسجد یعرف به فی ذلک الزمان۔**

میں کہتا ہوں کہ یہ قول کہ مسجد کی جگہ پر قبر کھودی گئی اس بات کو بتلاتا ہے کہ اس زمانہ میں فاطمہ بنت اسد کی قبر پر کوئی مسجد بنی ہوئی تھی جس سے شہرت تھی۔

اب میں ناظرین کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ یہ روایت محمد حنفیہ سے ہے اور محمد حنفیہ کی وفات سن ۸۱ھ ہجری میں ہوئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ سن ۸۱ھ ہجری کے قبل فاطمہ بنت اسد کی قبر پر مسجد تعمیر ہوگئی تھی اور ظاہر ہے کہ یہ وہ عہد ہے جس میں تابعین سے قطع نظر کرتے ہوئے بعض صحابہ بھی موجود تھے لیکن کسی کا برا سمجھنا یا اس بات کو روکنا ثابت نہیں۔

(۲) صحیح بخاری باب قبر النبیؐ و الشیخین ملاحظہ ہو:

عن هشام بن عروة عن ابیه قال لمّا سقط علیهم الحائط فی زمان الولید بن عبدالملک اخذوا فی بنائه فبدت لهم قدم ففزعوا وظنّوا انّها قدم النبی صلی اللہ علیه وسلم فما وجدوا احدا یعلم ذلک حتی قال لهم عروة لا واللہ ماهی قدم النبی صلی اللہ علیه وسلم ماهی الا قدم عمر۔

ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ جب عمارت قبر رسول کی دیوار زمانۂ ولید بن عبدالملک میں گری ہے تو مسلمانوں نے اس کی تعمیر شروع کی۔ اثنائے تعمیر میں ایک قدم ظاہر ہوا سب بہت خوف زدہ ہوئے اور خیال کیا کہ

یہ پائے حضرت رسول ہے مگر کوئی نہ ملا جو پہچان سکتا یہاں تک کہ عروہ نے کہا نہیں بخدا یہ رسالت مآبؐ کا پاؤں نہیں ہے، ہونہ ہو یہ پائے حضرت عمر ہے۔

تاریخ الخلفاء سے معلوم ہوتا ہے کہ ولید بن عبدالملک کا زمان خلافت ۸۶ھ سے ۹۶ھ تک تھا۔ یہ امر غور کے قابل ہے کہ اگر تعمیر قبر پر حرام ہوتی تو مسلمان ایک مرتبہ عمارت کے گر جانے کو غنیمت سمجھتے پھر کبھی اس کو نہ بناتے حالانکہ پھر تعمیر کی اور کسی نے انکار نہ کیا لہٰذا فعلاً اور تقریراً مسلمانوں کا اجماع ثابت ہوا اور رسالت مآبؐ کا قول ہے ''لن تجتمع امتی علی الضّلالۃ'' معلوم ہوا کہ قبر پر عمارت کا بنانا جائز و مستحسن تھا۔

(۳) علامہ سلیمان بلخی قندوزی اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں صواعق محرقہ علامہ ابن حجر سے اقتباس کرتے ہوئے امام محمد باقرؑ کے حالات میں لکھتے ہیں: **توفی سنۃ مأۃ و سبع عشرۃ من ثمان و خمسین سنۃ مسموما کابیہ و امہ بنت عم ابیہ الحسن رضی اللہ عنہم وھو علوی من ابیہ و امّہ و دفن ایضا بجنب ابیہ فی قبۃ الحسن و العبّاس بالبقیع۔**

۱۱۷ھ میں اٹھاون برس کی عمر میں مثل اپنے پدر بزرگوار کے زہر دغا سے شہید ہوئے اور ماں آپ کی آپ کے والد کے چچا امام حسنؑ کی صاحبزادی تھیں آپ ماں باپ دونوں کی طرف سے علوی تھے اور آپ بھی اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں قبہ امام حسن و عباس میں دفن ہوئے جو بقیع میں تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ۱۱۷ھ تک قبۂ امام حسنؑ و روضۂ عباس بن عبدالمطلبؓ تعمیر ہو چکا تھا۔

اور امام جعفر صادقؑ کے حال میں لکھتے ہیں: **توفی سنۃ اربع و ثمانین و مأتہ مسموما ایضا کابیہ و عمرہ ثمان و ستون سنۃ و دفن بالقبۃ المذکورۃ فیالھم من قبۃ ما اکرمھا و ابرکھا و اشرفھا۔**

۱۸۴ھ میں زہر دغا سے مثل اپنے والد بزرگوار کے وفات پائی اور عمر آپ کی اڑسٹھ برس کی تھی اور اسی قبہ میں دفن ہوئے۔ کیا کہنا اس قبّہ کا کتنا بزرگ مرتبہ اور متبرک اور باشرف قبّہ ہے۔

اگرچہ سابق کی عبارت کے بعد اس عبارت کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ جب ۱۱۷ھ تک وجود قبّہ ثابت ہو چکا تو اب ۱۸۴ھ میں ثابت کرنا تحصیل حاصل ہے لیکن یہ عبارت میں نے صرف آخری فقرات پر ناظرین کو مطلع کرنے کے لئے نقل کی ''**فیالھم من قبۃ ما اکرمھا و ابرکھا و اشرفھا**'' واضح ہوا کہ قبور کی برکت قبوں میں سرایت کر آتی ہے اور وہ بھی متبرک و مکرم اور قابل تعظیم ہو جاتے ہیں اور ان کا گرانا یقیناً اس قبر کی توہین ہے جس پر قبہ بنا ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ اس قبہ کو ابن سعود نے تباہ و برباد کر دیا۔

(۴) وفاء الوفاء میں ہے: **قال عبدالعزیز و الغالب عندنا انّ مصعب بن عمیر و عبداللہ بن جحش دفنا تحت المسجد الذی بنی علی قبر حمزۃ۔**

عبدالعزیز نے کہا ہے کہ غالب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن جحش اس مسجد کے نیچے دفن ہوئے ہیں جو قبر حمزہ پر بنی ہوئی ہے۔

عبدالعزیز دوسری صدی ہجری کے مورخ ہیں لہٰذا دوسری صدی میں قبر حمزہ پر مسجد ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ صاحب وفاء الوفاء نے اس کے چند ورق قبل لکھا ہے:

وسیاتی فی الفصل الذی بعدہ متذکر قبر حمزۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن عبدالعزیز بن مروان انّہ کان علی قبر حمزۃ قدیماً مسجد وذلک فی المائۃ الثانیۃ۔

عنقریب اس کے بعد والی فصل میں قبر حمزہ کے تذکرہ میں عبدالعزیز بن مروان سے نقل ہوگا کہ حمزہ کی قبر کے اوپر قدیم زمانہ سے ایک مسجد تھی اور یہ دوسری صدی کا ذکر ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ ان تمام عبارتوں سے مثل آفتاب نصف النہار کے قبر پر عمارت کا استحسان ثابت ہوگیا۔ ناظرین اگر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ فعل رسول اور سیرت سیدۃ النساء اور فعل صحابہ و تابعین ہر ایک اپنے مقام پر بناء علی القبر کا جواز ثابت کرنے میں کافی ہے۔

{اجماع مسلمین}

جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں حالات متوکل کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وفی سنۃ ست وثلثین امر بھدم قبر الحسین وھدم ما حولہ من الدّور وان یعمل مزارع ومنع النّاس من زیارتہ وحزب وبقی صحراء وکان المتوکل معروفا بالنّصب فتالّم المسلمون من ذلک وکتب اھل بغداد شتمہ علی الحیطان والمساجد وھجاہ الشّعراء فممّا قیل فی ذلک

(شعر):

باللہ ان کانت امیتہ قد اتت
قتل ابن بنت نبیّھا مظلوماً
فلقد اتاہ بنو ابیہ بمثلہ
ھذا لعمری قبرہ مھدوماً
اسفوا علی ان لا یکونوا شارکوا
فی قتلہ فتتبّعوہ رمصاً

اور ۲۳۶ھ میں متوکل نے قبر امام حسینؑ کے گرانے کا اور ان کے گھروں کے انہدام کا جو اس کے گرد تھے حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ وہاں زراعت کی جائے اور لوگوں کو زیارت سے منع کیا اور وہ جگہ ویران ہوگئی اور جنگل ہوگیا اور متوکل ناصبیت میں مشہور تھا۔ تمام مسلمانوں کو اس سے بہت اذیت ہوئی اور اہل بغداد نے اس کی برائیاں دیواروں اور مسجدوں پر لکھیں اور شعراء نے اس کی ہجو کی منجملہ اُن اشعار کے چند شعر یہ ہیں:

''بخدا اگر بنی امیہ نے اپنے نبی کے نواسے کو مظلوم قتل کیا تو ان کے قرابت داروں (بنی عباس) نے بھی ویسا ہی ظلم کیا۔ دیکھو یہ کیا قبر حسینؑ گری ہوئی ہے۔ ان لوگوں کو افسوس تھا کہ حسینؑ کے قتل میں نہ شریک ہوئے لہٰذا اُس کا بدلا بوسیدہ ہڈیوں سے لے لیا۔

اس عبارت میں ''فتالم المسلمون من ذلک'' کا فقرہ ہمارے موضوع قلم سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ ''المسلمون'' پر الف لام استغراق کا ہے جو مفید عموم ہے مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو اس فعل سے سخت ایذا ہوئی معلوم ہوا کہ تمام مسلمان قبر پر عمارت ہونے کے استحسان کو طے کئے ہوئے تھے بلکہ جو شخص اس کی مخالفت کرے اس کو ناصبی سمجھتے تھے۔

(۲) وفاء الوفاء میں ہے کہ ولید بن عبدالملک نے جب ازواج نبیؐ کے حجرہ خرید کئے ہیں تو عمر بن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ ان کو گرا کے مسجد کو وسیع کردو۔ عمر بن عبدالعزیز نے ان

کے گرانے کا حکم دیا اس دن مدینہ میں کہرام تھا اور اس روز سے زیادہ گریہ کناں لوگ کبھی نہیں دکھائی دئے پھر عمر بن عبدالعزیز نے عمارت قبر رسول کو دوسرے طریقہ پر بنا دیا۔ اس خبر سے معلوم ہوا کہ مسلمانان مدینہ پر عمارت قبر رسول گرانے کا اگرچہ وہ بقصد اصلاح ہی ہو، اتنا اثر تھا کہ ہر شخص فغاں وشیون کررہا تھا۔ اگر مسلمان حرمت بناء علی القبر کو طے کئے ہوتے تو خوشی کا مقام تھا نہ کہ رونے اور غم کرنے کا۔

{قبہ کا احترام}

اب صرف مجھے اس امر کا ثابت کرنا ہے کہ نظر علماء میں قبہ محترم بھی ہے اور متبرک چیز ہے۔ اس مطلب کے واضح کرنے کے لئے میں چند عبارتیں ہدیۂ انظار کرتا ہوں۔ علاوہ اس کے کہ سابق کی بھی بعض عبارتیں اس مطلب کے ثابت کرنے میں حصہ لے رہی ہیں جس کی طرف میں نے جابجا اشارہ کردیا ہے مگر اس موقع پر کچھ زیادہ کہنا چاہتا ہوں۔

(۱) فتاویٰ عالمگیری میں آداب زیارت رسالت مآبؐ میں لکھا ہے: **فلیتوجہ الی قبرہ صلعم فیقف عند راسہ۔**

متوجہ ہونا چاہئے قبر رسالت مآبؐ کی طرف اور اس کے سرہانے کھڑا ہو۔

اس کے بعد آداب لکھتے لکھتے رقم طراز ہیں:

ولا وضع یدہ الی جدار التربۃ فھو اھیب واعظم للحرمۃ ویقف کما یقف فی الصّلوۃ ویمثل صورتہ الکریمۃ البھیّۃ کانہ قائم فی لحدہ عالم بہ یسمع کلامہ کذافی الاختیار شرح المختار۔

ہاتھ اپنا دیوار روضہ پر نہ ٹیکنا چاہئے کیونکہ یہی زیادہ ہیبت اور عظمت واحترام کی شان ہے اور اس طرح کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور حضرت کی صورت کو اپنے پیش نظر کرے کہ گویا وہ حضرت قبر میں آرام فرما رہے ہیں اور اس کے کلام کو سن رہے ہیں اور اس پر مطلع ہو رہے ہیں۔ یہی اختیار شرح مختار میں مذکور ہے۔

میں اس فقرہ کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہاتھ دیوار روضہ پر نہ ٹیکنا چاہئے کیونکہ یہ خلاف احترام ہے۔ معلوم ہوا کہ دیوار عمارت قبر اور روضہ کس حد تک محترم ہے۔ بھلا ایک ناجائز شئے کا بھی کیا اتنا احترام ہوسکتا ہے پھر کہاں تو یہ حکم کہ ''فلیتوجہ الی قبرہ'' اور کہاں علمائے مدینہ کا یہ فتویٰ کہ حجرۂ نبیؐ کی طرف منہ کرنا ممنوع ہے۔

(۲) سید نورالدین سمہودی وفاء الوفاء میں آداب زیارت کے ذیل میں لکھتے ہیں: **ومنھا ادامۃ النظر الی الحجرۃ الشریفۃ فانّہ عبادۃ قیاسا علی الکعبۃ المعظّمہ کما قالہ المجد قال فینبغی لمن کان بالمدینۃ ادامۃ ذلک اذا کان فی المسجد وادامۃ النظر الی القبۃ الشریفۃ اذا کان خارجہ مع المھابۃ والحضور۔**

منجملہ آداب کے برابر حجرۂ شریفہ پر نظر رکھنا ہے کیونکہ یہ عبادت ہے مکۂ معظّمہ پر قیاس کرکے جیسا کہ مجد نے کہا ہے اور کہا ہے کہ اس شخص کو چاہئے جو مدینہ میں ہو حجرہ پر نظر رکھنا اگر مسجد میں ہو اور قبۂ شریفہ پر نظر رکھے اگر مسجد سے باہر ہو ہیبت اور حضور قلب کے ساتھ ساتھ۔

کہاں تو محققین کا یہ ارشاد کہ حجرہ پر نظر کرنا عبادت ہے بلکہ اگر مسجد سے خارج ہو تو قبہ پر نظر ڈالنا مستحب ہے او ربمنزلۂ عبادت ہے اور کہاں ان نجدی پرستوں کا یہ قول کہ قبہ

کا بنانا بدعت ہے بلکہ قبوں کا گرانا واجب ہے

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

(۳)　دلائل الخیرات میں روضۂ رسالت مآبؐ کی تصویر ہے اور لکھا ہے کہ: **هذه صفة الروضة المباركة التى دفن فيها رسول الله و صاحباه ابوبكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنهما روضة النبى هكذا۔**

اور روضۂ نبیؐ کی تصویر میں قبۂ حضرت عثمان بن عفان کی تصویر بھی نقل کی ہے اور شارح دلائل الخیرات نے مزرع الحسنات میں اس کے تحت میں لکھا ہے۔ ''تنبیہ در ذکر شکل قبور شریفہ در اینجا فائدہ آنست کہ زیارت کند ایں مثال را کسی کہ قدرت نیافتہ است بزیارت عین روضۂ مقدس و مشاہدہ بکند ایں شکل مبارک را محب و مشتاق و بوسہ زند بران از غایت محبت و بیفزاید شوق خود را و اکثر بزرگان برائے ایں شکل مبارک خواص و برکات بسیار ذکر کردہ اند و بتجربہ آوردہ آند'' یہ اس مطلب پر بہت کچھ روشنی ڈالتا ہے کہ قبہ قابل احترام ہے ورنہ قبۂ حضرت عثمان علی کی تصویر ذیل میں اس تصویر مبارک کے نہ دی جاتی۔

(۴)　قبہ کے احترام کی یہ انتہا ہے کہ اولیاء و مقربین خدا کے قبوں کے متعلق علمائے اسلام نے کرامات ذکر کئے ہیں چنانچہ علامۂ شعرانی لواقح الانوار میں محی الدین بن عربی کے ذکر میں تحریر کرتے ہیں: **وقد بنى عليه قبة عظيمة وتكية شريفة بالشام فيها طعام وخيرات واحتاج الى الحضور عنده من كان ينكر عليه من القاصرين بعد ان كانوا يبولون على قبره رضى الله عنه واخبرنى اخى الشيخ الصّالح الحاج احمد الحلبى انّه كان له بيت يشرف على ضريح الشيخ محى الدين فجاء شخص من المنكرين بعد صلوة العشاء بنار يريد ان يحرق تابوت الشيخ فخسفه دون القبر بتسعة اذرع فغاب فى الارض وانا انظرو فقده اهله من تلك الليلة فاخبرتهم بالقصة فجاء واوحفروا فوجدو راسه فكلما حفر واانزل وغارفى الارض الى ان عجزوا وردموا عليه التراب۔**

ان کی قبر پر ایک عظیم قبہ شام میں تعمیر ہو گیا ہے کہ جس میں طعام و خیرات تقسیم کیا جاتا ہے اور اس قبر پر حاضر ہونے کے لئے وہ تنگ نظر لوگ بھی مجبور ہوئے جو ان کی قدر و منزلت کے منکر تھے بعد اس کے کہ وہ لوگ ان کی قبر پر پیشاب کرتے تھے اور مجھ سے میرے برادر اسلامی شیخ صالح حاجی احمد حلبی نے تذکرہ کیا ہے کہ ان کا گھر شیخ محی الدین کی ضریح کے قریب تھا ایک شخص مخالفین میں سے بعد نماز عشا کے آگ لئے ہوئے آیا اور وہ چاہتا تھا کہ شیخ کے تابوت کو جلا دے بس وہ قبر تک پہنچنے سے نو ہاتھ پہلے ہی زمین میں دھنس گیا اور غائب ہو گیا میرے دیکھتے دیکھتے جب اس اہل وعیال نے اس شب نہ پایا اور ڈھونڈھنا شروع کیا تو میں نے یہ قصہ ان سے بیان کیا وہ لوگ آئے اور کھودنا شروع کیا یہاں تک کہ اس کے سر کو پالیا بس وہ جتنا کھودتے جاتے تھے وہ اترتا جاتا تھا یہاں تک کہ عاجز آ گئے اور مٹی سے پاٹ دیا۔

اس سے بڑھ کے قبہ کی عظمت کیا ہوگی جو اس عبارت سے معلوم ہوئی۔

(جاری)